مؤثر تنظیم

استحکامِ تنظیم کے تقاضے

خُرّم مُرادؒ

منشورات

00047

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

مؤثر تنظیم: استحکامِ تنظیم کے تقاضے
از خرّم مُرادؒ
طبع اول _ مارچ ۲۰۰۱ء _ تعداد: ۸۰۰۰

ناشر منشورات
منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790
042-35419520-24 - 35434909
0092 42 - 35432194 - 35434907
manshurat@gmail.com / @hotmail.com / @yahoo.com
0332-003 4909, 0320-543 4909

مطبع : سپوتنک پریس، بندروڈ، لاہور۔
کوڈ : 00047
ISBN : 978-969-9894-60-2

قیمت : ۱۳ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین کے لیے منظّم جدوجہد ضروری ہے۔ اس بات پر یقین تحریک اسلامی کی بنیاد ہے۔ وہ تنظیم جو تحریک اسلامی کے مقاصد کے حصول، اقامت دین اور جہاد کے لیے قائم کی گئی ہو، زیادہ سے زیادہ مؤثر کیسے بنائی جائے، یہ ایک وسیع اور اہم موضوع ہے۔

مؤثر تنظیم (effective organisation) کے کیا معنی ہیں؟ یا مؤثر تنظیم سے کیا مراد ہے؟ یہ وہ بنیادی سوال ہے جس کا جواب دیا جانا چاہیے۔

تنظیم کیا کرتی ہے؟ آیئے پہلے اس پر تھوڑا سا غور کرتے ہیں۔

تنظیم مختلف افراد کو جمع کر کے ایک ایسا مجموعہ بناتی ہیں جس کے ذریعے وہ کام کیا جا سکے جو ہر فرد الگ الگ نہیں کر سکتا۔ نیز اس کے اندر اتنی قوت پیدا کرتی ہے جو صرف افراد کے مجموعے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر اسے ہم معروف مثال کے ذریعے سمجھنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ تنظیم ایک جمع ایک [۱+۱] کر کے صرف دو نہیں بناتی بلکہ گیارہ بناتی ہے۔ یہ صرف صلاحیتوں کو جمع نہیں کر دیتی بلکہ ان کو ضرب (multiply) کرتی ہے، ان کے اندر کوئی گناہ زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ یہ وہ کام ہے جو ایک تنظیم کرتی ہے۔ اگر چند افراد مل کر کوئی بڑا کام سرانجام نہ دے سکیں اور دس افراد کی مجموعی قوت بھی پانچ یا دس افراد کے برابر رہے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تنظیم مؤثر نہیں ہے۔

دوسرا سوال، پہلے سوال کے ضمن میں یہ ہے کہ ''مؤثر'' کے معنی کیا ہیں؟ ''موثر'' کے معنی دراصل یہ ہیں کہ جو مقصد کسی تنظیم کے پیش نظر ہو، اس کا حصول تیز رفتاری کے ساتھ ممکن ہو سکے۔

اگر افراد جمع ہو جائیں، تنظیم بن جائے، دفاتر قائم ہو جائیں، عہدے دار اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں لیکن مقصد کی طرف پیش رفت نہ ہو اور مقصد حاصل نہ ہو سکے، تو پھر تنظیم تو موجود ہو گی لیکن ہم کہیں گے کہ وہ ''موثر'' نہیں۔ جتنا مقصد حاصل ہو، جتنی مقصد کی طرف پیش رفت ہو، اور جتنی تیزی کے ساتھ ہو، اتنی ہی تنظیم مؤثر ہو گی۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ تنظیم اپنی جگہ پر قائم ہو لیکن مؤثر تنظیم نہ ہو۔

تنظیم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تنظیم وہ ہے جو کسی کام کو قائم اور برقرار رکھے۔ انگریزی میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو maintenance کا کام کر سکے۔ دوسری تنظیم وہ ہے، جس کو میں تحریکی تنظیم کہوں گا، جو حرکت میں لاتی ہے، آگے بڑھاتی ہے اور نشو ونما وارتقا کا کام کرتی ہے۔ جس طرح بجٹ کے دو حصّے ہوتے ہیں، ایک ریونیو بجٹ جو قائم رکھنے (maintenance) کا کام کرتا ہے، جبکہ دوسرا ڈویلپمنٹ بجٹ ہوتا ہے جو آگے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح تنظیمیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں، یعنی وجود کو برقرار رکھنے والی تنظیم (maintenance organisation) اور کام کو آگے بڑھانے والی تنظیم (development organisation)۔

بعض تنظیمیں صرف ایک قسم کا کام کرتی ہیں، مثلاً یونی ورسٹی یا اسکول۔ یہ بھی ایک تنظیم ہے۔ آپ جو مساجد اور ادارے بناتے ہیں وہ بھی تنظیمیں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ سال بھر نظام چلتا رہے اور یہ چیزیں قائم و برقرار رہیں۔ انھیں maintenance تنظیمیں کہا جا سکتا ہے۔

ایک تحریکی تنظیم کا کام محض وجود کو قائم رکھنا نہیں ہوتا بلکہ آگے بڑھ کر، حرکت میں آکر، کہیں پہنچنا اور مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ تحریک اور تنظیم کے اندر نشو ونما، ترقی اور ارتقا کا عمل مسلسل جاری رہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ تحریک تنظیم میں وجود کو قائم رکھنے کا کام بھی ہوتا کہ جو قدم آگے بڑھائے جائیں وہ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ البتہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا کام جزوی ہوتا ہے۔ آگے بڑھنے کا کام ہی اس تحریک اور تنظیم کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ اگر وہ صرف اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا یا بھرم قائم رکھنے کا ہی کام کرتی رہے کہ جو علاقہ فتح کر لیا

بس اسی کو برقرار رکھنا ہے، تو پھر وہ ایک تحریک نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی تنظیم بن جاتی ہے جس کو صرف اپنے مقام یا وجود کو قائم و برقرار رکھنا ہو، یعنی maintenance تنظیم۔

اب آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ ''مؤثر تنظیم'' کسے کہتے ہیں؟ اور اس سے میرے پیش نظر کیا بات ہے۔

سوال یہ ہے کہ تنظیم کو مؤثر کیسے بنایا جائے؟ کوئی بھی تنظیم ہو، یا جو تنظیم ہمارے پاس موجود ہے یعنی تحریک اسلامی، اس کو ہم کس طرح سے ان معنوں میں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں، مؤثر (effective) بنا سکتے ہیں؟

کسی تنظیم کو مؤثر بنانے کے لیے بہت سے پہلو اور اصول ہیں جنھیں بیان کیا جا سکتا ہے، بہت سی تجاویز ہیں جو پیش کی جا سکتی ہیں لیکن میں نے صرف بنیادی اصولوں کا انتخاب کیا ہے۔ اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ صرف یہی اصول ہیں یا ان کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ یہ ایسے بنیادی اصول ہیں جنھیں پہلے قدم کے طور پر اپنایا جا سکتا ہے۔

تنظیم، حصول مقصد کا ذریعہ

پہلی چیز یہ ہے کہ تنظیم کو اصل مقصد کبھی نہ بننے دیا جائے۔ یعنی محض اس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش نہ کی جائے بلکہ تنظیم کو مقصد کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ دنیا بھر میں تمام تنظیموں کو اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جب وہ پھیلنا شروع ہوتی ہیں تو بالآخر وہ خود ہی اپنی جگہ پر ''مقصد'' بننا شروع ہو جاتی ہیں۔ جو تنظیم کسی مقصد کے لیے بنتی ہے وہ خود خدمت کی طلب گار بن جاتی ہے۔ وہ وقت، وہ صلاحیت، وہ پیسہ جو مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے لگنا چاہیے، اس کا بیشتر حصّہ تنظیم کو برقرار رکھنے کے لیے لگنے لگتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تنظیم کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر تقاضوں پر تنظیمی وسائل ضرور لگنے چاہییں لیکن یہی اصل چیز نہیں ہے۔ اور جیسے جیسے یہ تناسب بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے مقصد تحریکی تنظیم

کی تاثیر میں کمی آتی جاتی ہے۔ اگر دو آدمی ہوں گے اور وہ مل کر کام میں لگے رہیں گے تو بڑی عمدہ تنظیم ہوگی۔ جب تنظیم میں وسعت پیدا ہو جائے، لاکھوں افراد تک پھیل جائے اور وہ دعوت کے اصل ہدف مثلاً توسیع دعوت کو چھوڑ کر صرف اسی کام میں لگے رہیں کہ انھیں تنظیم کو برقرار رکھنا ہے تو بالآخر اس کی تاثیر کے اثر و نفوذ میں کمی آنا شروع ہو جائے گی۔

اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ تنظیم کے کارکنوں کو بار بار اپنے آپ کو یہ یاد دلانا چاہیے اور اس چیز کا جائزہ لینا چاہیے کہ جو تنظیمی وسائل ہیں...... اور وسائل سے میرا مطلب صرف مال نہیں ہے بلکہ آپ کے اوقات، آپ کی توجہ، آپ کی صلاحیتیں، تنظیم کے پاس جو افرادِ کار ہیں، یہ سب وسائل ہیں...... ان وسائل کا کتنا تناسب صرف تنظیم کے وجود کو برقرار رکھنے (maintenance) میں لگ رہا ہے اور کتنا تناسب آگے کو بڑھانے اور مقصد کی طرف پیش رفت کرنے میں لگ رہا ہے؟ یہ وہ اہم ترین بات ہے جو کسی بھی تنظیم کے ہر سطح کے قائد یا رہنما کو برابر سوچتے رہنا چاہیے خواہ وہ کسی گاؤں یا چک سے تعلّق رکھتا ہو یا پورے ضلع اور صوبے یا ملک گیر یا عالمی سطح پر رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں ''قیادت'' نام ہی سوچنے کا ہے۔ اب تو فوجیں بھی جرنیل لڑواتے ہیں۔ وہ پیچھے بیٹھ کر سوچتے رہتے ہیں کہ فوجیں کیسے لڑیں گی اور کیا حکمت عملی اپنائی جائے۔ وہ بندوق ہاتھ میں لے کر نہیں نکلتے۔ موجودہ دور میں جس پیمانے پر تنظیموں کو کام کرنے کی ضرورت ہے، خواہ تجارت میں جہاں بڑی بڑی کارپوریشن بنتی ہیں، یا فوج میں جہاں بڑی بڑی فوجیں جنگ عظیم لڑتی ہیں، یا تحریکوں میں جہاں بڑے بڑے انقلاب لانے ہوتے ہیں، قیادت کا اصل کام سوچ و بچار اور غور و فکر ہی ہے۔ فکر و تدبر کا عمل برابر جاری رہنا چاہیے۔

تنظیمی وسائل کے صحیح استعمال کا یہ اصول اس لیے اہم ہے کہ غیر محسوس طور پر وسائل کے استعمال کا تناسب بگڑنے کا حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہر وقت ہوشیار، اور باخبر رہنا بہت ضروری ہے۔

آپ راستے پر جا رہے ہوں، اگر آپ چوکنے رہیں کہ کوئی حادثہ پیش نہ آجائے تو آپ حادثے سے بچ سکتے ہیں لیکن اگر آپ کو احساس نہ ہو، چوکنے نہ ہوں تو آپ کسی بھی حادثے کا شکار ہو سکتے ہیں۔

بہت عام سی مثال سے اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ گاڑی کا مقصد سفر کر کے کہیں پہنچنا ہے۔ ڈرائیور کے بغیر گاڑی نہیں چل سکتی۔ گاڑی کے بغیر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ گاڑی کے اندر مسافروں کا بیٹھنا بھی ضروری ہے۔ گاڑی کے لیے پٹرول بھی درکار ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ان میں سے ہر چیز ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ گاڑی اپنے مقام پر کھڑی ہو، اس کے اندر مسافر بھی بیٹھے ہوں، ڈرائیور کا ہاتھ اسٹیرنگ پر ہو، ایکسلیٹر دبا ہوا ہو، انجن کے چلنے کی آواز بھی آرہی ہو، پٹرول اندر جا رہا ہو لیکن گاڑی وہیں کھڑی ہو۔ اس صورت میں ہم کہیں گے کہ گاڑی بہ ظاہر تو ہر لحاظ سے مکمل ہے اور ہر لحاظ سے حالات بالکل ٹھیک ہیں، اس لیے کہ انجن چل رہا ہے، پٹرول صرف ہو رہا ہے، مسافر موجود ہیں، ڈرائیور کے ہاتھ اسٹیرنگ پر موجود ہیں۔ لیکن جب تک وہ گاڑی آگے نہیں بڑھے گی، وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔ یہی وہ چیز ہے جس پر بار بار سوچنے کی ضرورت ہے۔ بالکل اسی طرح کسی تنظیم کے پاس خواہ کتنے ہی کارکن اور وسائل ہوں، سب متحرک ہوں اور وسائل کھپ رہے ہوں لیکن اگر وہ آگے بڑھ کر اپنا مطلوبہ ہدف حاصل نہیں کر پاتے تو وہ تنظیم ایک تحریک تنظیم نہیں ہے بلکہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے والی تنظیم (maintenance orgnisation) ہے۔

میں تنظیم کی ضروریات اور تقاضوں کی نفی نہیں کر رہا بلکہ تنظیمی وسائل کے استعمال کے تناسب اور ترجیحات کی اہمیّت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

یہ پہلی بات ہے جو ''مؤثر تنظیم'' کے حوالے سے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

مطلوبہ کام کا صحیح اندازہ

پھر اس بات کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ آخر ہمارا کام یا ''جاب'' کیا ہے؟ اگر میں

کاروباری اور دفتری اصطلاح استعمال کروں تو اسے انگریزی میں size up کرنا کہیں گے، یعنی اپنے کام کا اندازہ کرنا۔ آپ کسی بھی سطح کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہوں مثلاً گاؤں، شہر یا صوبہ وغیرہ آپ کو اپنے کام کا اندازہ کرنا یعنی اپنی جاب کو size up کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر صحیح معنوں میں تنظیم کو مؤثر نہیں بنایا جا سکتا۔ یعنی اس بات کا اندازہ لگانا کہ کسی گاؤں میں کتنے لوگ ہیں؟ کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں؟ کون لوگ بااثر ہیں؟ کہاں کہاں طاقت کے سرچشمے ہیں اور ان کو بالآخر ہمیں کیسے مسخر کرنا ہے؟ اگر آپ کو یہی نہیں معلوم کہ آپ علاقے یا بستی میں کتنے گاؤں ہیں اور کتنے افراد ہیں؟ کہاں کون سا چودھری بیٹھا ہوا ہے؟ کس کے ہاتھ میں طاقت اور قوت ہے؟ کس مسجد کا امام وخطیب بااَثر ہے اور کون بے اَثر؟ تو آپ اس علاقے کو کیسے مسخر کر سکیں گے؟

اگر آپ کو کسی علاقے میں تحریک اسلامی کے کام کو صحیح معنوں میں آگے بڑھانا اور مؤثر انداز میں کرنا ہے تو سب سے پہلے آپ کو اپنی جاب، یعنی اپنے کام کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر آپ کوئی بھی ٹھوس منصوبہ نہیں بنا سکتے اور کسی طرح بھی تنظیم کو مؤثر نہیں بنا سکتے۔ اس صورت میں بہ ظاہر تنظیم متحرک ہوگی، وسائل صرف ہو رہے ہوں گے، توسیع دعوت کا کام یعنی افراد سے رابطہ اور ملاقاتیں کرنا، متفق اور کارکن اور ارکان بنانے کا کام بھی ہو رہا ہوگا لیکن اس علاقے میں تحریک کا وہ اثر ونفوذ قائم نہ ہو سکے گا جس کے نتیجے میں اس علاقے کو مسخر کیا جا سکے۔

درحقیقت ملاقاتیں کرنا، متفق یا ارکان بنانا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تو یہ ہے کہ اس پورے علاقے اور آبادی کو اپنے مقصد کے لیے مسخر کیا جائے۔ جو بھی متفق بنے، یا کارکن بنے، آپ کو ہمیشہ اسی مقصد کے پیش نظر اسے اسی معیار پر پرکھنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے نتیجے میں آپ نے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ جہاں پر ہیں اور جہاں پر پہنچنا ہے، ان دونوں کا موازنہ کرنا چاہیے۔ جب تک آپ موازنہ نہیں کریں گے، آپ کی تنظیم مؤثر نہیں ہوگی اور تنظیم کو مؤثر بنانے کے لیے صحیح جذبہ بیدار نہ ہو سکے گا۔ اگر آپ کو یہی نہیں معلوم کہ مجھے کتنا کام بالآخر

کرنا ہے؟ یا مطلوب ہدف ومقصد کیا ہے؟ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہر سال ایک رپورٹ بھرتے رہیں گے کہ اتنا کام ہوا ہے، لیکن آپ کو جس ہدف تک پہنچنا ہے، یعنی علاقے کو مسخر کرنا اورعوام الناس کے لیے مرجع خلائق (قائد) بننا، اس تک آپ نہیں پہنچ سکیں گے۔

موثر منصوبہ بندی

اپنے کام کا اندازہ کر لینے (size up) کے بعد پھر یہ طے کرنا چاہیے کہ کہاں پہنچنا ہے؟ کیسے پہنچنا ہے؟ پہنچنے کے لیے کن وسائل کی ضرورت ہے؟ اور وسائل کیسے فراہم ہوں گے؟ یہ چار سوال ...... کہاں پہنچنا ہے؟ کیسے پہنچنا ہے؟ کیا وسائل درکار ہیں؟ اور وسائل درکار ہیں؟ اور وسائل کی فراہمی کیسے ہوگی؟ ...... بڑے اہم سوال ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑے سے بڑا کام، مثلاً کوئی پوسٹر نکالنا یا لگانا ہو، کوئی تربیت گاہ منعقد کرنا ہو، کوئی جلسہ کرنا ہو یا انتخاب لڑنا ہو یا پورے ضلع اور ملک میں انقلاب برپا کرنا ہو...... آپ کو ان کا جواب دینا ہوگا کہ ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟ ہم وہاں کس طرح پہنچیں گے؟ پہنچنے کے لیے ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ وسائل اور ذرائع انسانی، مالی، سیاسی، معاشی، روحانی اور اخلاقی کیسے فراہم ہوں گے اور کہاں سے آئیں گے؟ مؤثر تنظیم کے لیے یہ تیسرا اصول ہے۔

ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے چلنا شروع کیا اور پٹرول ختم ہوگیا، تو آپ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ آپ کو جتنے مسافروں کی ضرورت ہو وہ موجود ہی نہ ہوں اور آپ آگے نہ بڑھ سکیں۔ اسی نوعیت کے بہت سارے حادثات پیش آسکتے ہیں۔ صبح ہی صبح آپ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل پڑتے ہیں، بنک پہنچتے ہیں، پتا چلا کہ چیک بک تو گھر ہی بھول آئے ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے نکلنے سے پہلے پانچ منٹ بیٹھ کر یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے آج کیا کام کرنا ہے اور کس چیز کی ضرورت پڑے گی؟ اب آپ جیب میں تلاش کرتے ہیں یا سوچتے ہیں کہ ارے یہ تو میں گھر ہی چھوڑ آیا...... اسی طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک مدت گزرنے کے بعد آپ یہ سوچیں کہ اوہ،

یہ چیز تو ہم پہلے ہی بھول گئے تھے اور ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے ہم نے سفر شروع کیا تھا۔

لہٰذا سوچنے کا عمل اور برابر سوچنے کا عمل، بہت ضروری ہے۔ اسے منصوبہ بندی یا پلاننگ کے نام سے بھی لوگ پکارتے ہیں۔ منصوبہ بندی کے حوالے سے بہت سے اصول وضوابط بیان کیے جاسکتے ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ سوالات ہی منصوبہ بندی کے لیے بنیادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خواہ معاملہ چھوٹے سے گاؤں کا ہو یا شہر اور ملک کا، بہرحال آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ آپ اس وقت کہاں کھڑے ہیں؟ آگے بڑھنے کا عمل ایک تدریجی عمل ہے۔ ایک جست لگا کر ہم اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہمیں ایک قدم کے بعد دوسرا قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ فوج بھی اگر مارچ کرتے ہوئے لیفٹ رائٹ کرتی ہوئی برابر قدم بڑھائے تو آگے بڑھ جاتی ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ آپ ایک ہی چھلانگ لگا کر منزل پر پہنچ جائیں تو یہ نہیں ہوگا۔ پھر آپ کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ایک ماہ، ایک سال یا پانچ سال کے بعد ایک قدم یا اقدام آپ کو کہاں لے جائے گا؟ اگر آپ اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ پانچ سال کے بعد کسی چک، گاؤں، تحصیل یا ضلع میں تحریک کا کام کہاں تک پہنچے گا یا اسے کہاں تک پہنچنا چاہیے تو پھر اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ آپ وہیں کھڑے رہیں گے جہاں پر آپ آج کھڑے ہیں۔

طویل العمل منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ آپ کو قلیل العمل منصوبہ بندی کے طور پر چھوٹے چھوٹے قدم بھی اٹھانے ہوں گے کہ اگلے چند ماہ یا ایک سال میں ہم اتنا آگے بڑھیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میں اتنی بصریت ہو کہ آپ جان سکیں کہ اگلے پانچ یا ۱۰ سال میں ہمیں اپنے کام کو کہاں تک پہنچانا ہے۔ اس کے لیے سوچنے، جائزہ لینے اور کام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو جائزے کے لیے ضروری ہے۔ اگر رپورٹ کے اندر اس بات کا ذکر ہی نہ ہو کہ کیا کرنا تھا اور کیا کیا؟ تو یقیناً ایسی رپورٹ یا جائزہ ''تحریکی تنظیم'' کے لیے تو بے مقصد ہوگا البتہ maintenance تنظیم کے لیے کافی ہے کہ سڑک کی مرمت کروائی گئی یا مدرسے یا مسجد کے انتظامات بہتر کیے وغیرہ۔ ایسی تنظیم جو ''تحریک تنظیم'' ہے، اس کے لیے یہ

ناگزیر ہے کہ وہ دیکھے کہ اسے کہاں پہنچنا تھا، کتنا آگے بڑھے ہیں اور مزید آگے کیسے بڑھنا ہے؟ جب تک کسی رپورٹ میں اس بات کا جائزہ نہ لیا جائے، وہ ''تحریکی تنظیم'' کے لیے بے مقصد ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رپورٹ یا جائزہ لینے کا عمل ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے اور عملاً جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔

نتائج پر نظر رکھنا

چوتھا اصول یہ ہے کہ آپ ایک سوال کرنے کی عادت ڈالیں اور وہ سوال ہے: ''کیوں؟''۔ آپ کہیں گے یہ تو بڑا آسان ہے۔ لیکن عملاً یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس لیے کہ ''یہ کام ہم کیوں کر رہے ہیں؟ اور اس سے کیا حاصل ہو رہا ہے؟'' اس سوال کے نتیجے میں جو جواب آتا ہے وہ اکثر بڑا ناگوار اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے آپ یہ دیکھیں کہ یہ کام ہم کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ کام کرتے ہوئے بار بار اپنے آپ سے پوچھیے کہ یہ کام ہم کیوں کر رہے ہیں؟ اگر کر چکے ہیں تو پوچھیے کہ اس کو ہم کیوں کر رہے تھے؟ اگر آپ بہت سے کاموں کو ان سوالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جانچ کر دیکھیں کہ وہ مقصد کو آگے نہیں بڑھا رہے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے یا تو آپ ان کو بہتر بنائیں یا پھر ان کو ترک کر دیں۔ اس لیے کہ غیر مفید (un-productiv) کام کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی کارخانے میں کوئی مال ایسا بن رہا ہو جو بکتا ہی نہ ہو، یا کوئی مزدور ایسا ملازم ہو جو کام نہ کرتا ہو۔ پھر اس ''کیوں؟'' کے نتیجے میں یہ بات سامنے آ گئی کہ یہ مال کیوں بنایا جا رہا ہے؟ کیا اسے صرف سٹور کرنے کے لیے بنایا جا رہا ہے؟ یا اگر اسے فروخت کرنا ہے تو پھر اس کے لیے خریدار پیدا کرنے ہوں گے ورنہ اس مال کو بنانے کا کیا فائدہ؟ گویا یا تو ہم اس کام کو کسی مقصد کے لیے مفید بنائیں یا پھر اسے ترک کر دیں۔

اس فیصلے پر عمل درآمد کرنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب کسی کام کو ترک کرنے

کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو فوراً یہ دلیل سامنے آتی ہے: ''یہ کام کیوں ترک کیا جائے؟ یہ تو ہمیشہ ہی سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس لیے اسے ہونا چاہیے''۔ بعض کاموں کے لیے تو یہ دلیل بڑی ضروری اور مضبوط ہے، جیسے روایات، بالخصوص بنیادی روایات۔ یہ تو ہر صورت میں برقرار رہنی چاہییں۔ مثلاً نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اگر چہ اس کے مقصد **اقم الصلٰوۃ لذکری** کا بار بار آیا ہے، لیکن اگر ذکر اور خشوع و خضوع کی کیفیت نہ بھی ہو، نماز تو بہر حال پڑھی جائے گی، اس لیے کہ وہ فرض کر دی گئی ہے۔ البتہ ہر وہ کام جو ہم نے خود سے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اس کا کرنا صرف اس لیے ضروری نہیں کہ ہم اس کو کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اصل چیز کام کا نتیجہ خیز ہونا ہے۔ اس مقصد کے لیے اگر کوئی کام جو ہم پہلے سے طے کر چکے ہیں مؤثر ہے، مقصد کو آگے بڑھا رہا ہے، تو وہ ضرور ہونا چاہیے۔ اگر مقصد کو آگے نہیں بڑھا رہا تو اتنی ہمت و جرأت ہونی چاہیے کہ ہم اس کو ترک کر دیں۔

مثال کے طور پر سالانہ تربیت گاہ محض اس لیے منعقد کرنا کہ منصوبہ عمل میں شامل ہے تو یہ انداز maintenance تنظیموں کا سا ہے، تحریکی تنظیموں کا نہیں۔ اصل بات تو سوچنے کی یہ ہے کہ تربیت گاہ کس مقصد کے لیے منعقد کی جا رہی ہے؟ کارکنان کو اس تین دنوں میں کیا دے کر واپس بھیجنا ہے؟ یہ کیا چیز لے کر جائیں کہ اگلے پورے سال کے کام میں یہ مفید ہو؟ اگر اس انداز میں سوچا جائے تو شاید تربیت گاہ زیادہ مفید ثابت ہو۔

اسی رپورٹ فارم یا اجتماع، جلسہ عام ہو یا کوئی بھی کام، آپ بار بار سوچیں کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اس سے مقصد آگے بڑھ رہا ہے؟ کیا ہمارے قدم آگے بڑھ رہے ہیں؟ کیا ہم اپنی منزل کے قریب آ رہے ہیں؟ اگر نہیں آ رہے تو ذرا رک کر اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا چاہیے اور وقت، وسائل اور صلاحیتوں کو کسی ایسے بہتر کام میں لگانا چاہیے جس کے نتیجے میں ہماری منزل قریب آ سکے اور ہم مطلوبہ ہدف حاصل کر سکیں۔ اگر آپ نے اس طرز عمل کو اپنایا تو بہت سے غیر مفید کام ترک کیے جا سکیں گے اور ہلکے پھلکے ہو کر آپ تیزی کے ساتھ شاید زیادہ آگے بڑھ سکیں۔

تنظیم کا بوجھل پن

پانچویں چیز جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے بھاری اور بوجھل چیز کے مقابلے میں ہلکی پھلکی چیز کم وسائل کے ساتھ زیادہ تیزی سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ جس فوج کے پاس جتنا ہلکا، تیز اور swift اسلحہ ہوگا، اتنی ہی تیزی کے ساتھ وہ آگے بڑھ سکے گی۔ دنیا میں ابتدا ہی سے ان فوجوں نے کامیابی حاصل کی ہے جن کے پاس ہلکا پھلکا اور تیز رفتار اسلحہ تھا۔ گھوڑے آئے تو آگے بڑھ گئے، ٹینک آئے تو آگے بڑھ گئے اور ایٹم بم چلے گا تو قوم کی قوم کو تباہ کر دے گا کیونکہ ہلکی پھلکی چیز تیزی کے ساتھ آگے بڑھ سکتی ہے اور کام کر سکتی ہے۔ جتنا آدمی موٹا ہوتا جائے اتنا ہی اس کا آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تنظیمیں وسعت کے بعد بھاری، بوجھل اور موٹاپے کا شکار ہو جاتی ہیں جس سے کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں دو چیزیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ میں یہ بات صرف تحریک اسلامی کو سامنے رکھ کر نہیں بیان کر رہا بلکہ دنیا بھر کی تنظیموں کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر بیان کر رہا ہوں۔

کمیٹیوں کا قیام:

پہلی چیز کمیٹی کا قیام ہے۔ کمیٹیاں اس لیے بنائی جاتی ہیں کہ لوگ بیٹھیں، مشورہ کریں۔ مگر دنیا بھر کا تجربہ ہے کہ کمیٹی بنانا، کام کرنے کا سب سے زیادہ غیر مؤثر طریقہ ہے۔ اس لیے ہر مسئلے کا حل کمیٹی بنا دینا نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کمیٹیاں بڑھتی جاتی ہیں، رپورٹوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے لیکن مسائل حل نہیں ہوتے۔ مگر جو ناگزیر اور ضروری ہو وہ کمیٹی ضرور بنائی جانی چاہیے۔

اجتماعات کا انعقاد:

دوسری اہم چیز اجتماعات یا میٹنگ کا انعقاد ہے۔ یورپ میں ایک کتاب میٹنگز، میٹنگز اور

میٹنگز کے نام سے چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سب سے زیادہ وقت میٹنگ میں ہی لگتا ہے۔ یقیناً میٹنگ یا اجتماع کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ جب تک لوگ مل کر بیٹھیں گے نہیں، تنظیم چل نہیں سکتی۔ میرا مقصد میٹنگ یا اجتماع کی اہمیّت کو کم کرنا نہیں ہے، البتہ اس میں ایک تناسب ضروری ہے۔ میٹنگ وہی ہونی چاہیے جو ضروری اور ناگزیر ہو اور نتیجہ خیز ہو۔ اگر بہت سے اجتماعات کے بارے میں یہ سوچ لیا جائے کہ آخر اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟ تو شاید انھیں کم اور مختصر وقت میں کیا جاسکے۔ اگر تنظیم کے ذمہ داران اور کارکنوں کے اوقات کا بڑا حصّہ اجتماعات کے انعقاد کی نذر ہو جائے تو وہ دعوتی امور اور اپنے حلقے میں رہنمائی کا کام مؤثر انداز میں کیسے کر سکیں گے؟ اور اسلامی انقلاب کی راہ کیسے ہموار کر سکیں گے؟ لوگوں سے ملاقات، ان کے مسائل میں دلچسپی اور دعوت کے کام کو زیادہ وقت نہ دیا جاسکے گا جو کام کو آگے بڑھانے اور مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے ناگزیر ہے۔ لہٰذا زیادہ اجتماعات کا انعقاد تحریک کو بوجھل بناتا ہے۔ اس لیے ناگزیر اجتماعات کم سے کم وقت میں منعقد کرنے سے تحریک کے وسائل کو زیادہ انداز میں صرف کرنا ممکن ہو سکے گا۔

اجتماع یا میٹنگ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ مفید اور ضروری چیز ہے لیکن بہرحال اس کو کم ہونا چاہیے۔

وقت، اہم ترین وسیلہ

چھٹی چیز، جو سب سے زیادہ قیمتی جنس، وسیلہ یا شے ہے، جسے سب سے زیادہ کارگر اور کارآمد ہونا چاہیے، وہ ''وقت'' ہے۔ آپ کا سب سے قیمتی وسیلہ، آپ کا وقت ہے۔ کام بغیر مال، بغیر مکان اور بغیر جگہ کے ہوسکتا ہے مگر کوئی بھی کام ''وقت'' کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ ہر کام وقت چاہتا ہے۔ آپ کو اجتماع کرنا ہوتو وقت چاہیے، دعوتی کام کرنا ہوتو وقت چاہیے، دفتر چلانا ہوتو وقت چاہیے اور اگر پوسٹر لگانا ہوتو وقت چاہیے۔ مال کے بغیر بہت سے کام ہو

سکتے ہیں، جیسا کہ میں نے کہا، کام مال و دولت، جگہ اور دفاتر وغیرہ کے بغیر بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر وقت ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ پھر وقت کے لیے بڑی اہم بات یہ ہے کہ اسے کہیں سے قرض لے کر بڑھایا نہیں جاسکتا۔ آپ چندہ لے کر فنڈز بڑھا سکتے ہیں، مکان بنا سکتے ہیں لیکن وقت کسی سے قرض نہیں لے سکتے۔ پیسہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے لیکن وقت کو محفوظ رکھنا، سٹور یا ڈیپازٹ کر لینا ممکن نہیں۔ وقت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ ادھر آپ نے پلک جھپکی ادھر ایک لمحہ گیا۔ بعض دفعہ پلک جھپکنے میں صدیاں گزر جاتی ہیں۔ اس لیے وقت کے استعمال میں ہوشیار، چوکنا اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ وقت ہماری سب سے قیمتی چیز ہے، فرد کے لیے بھی، جماعت کے لیے بھی اور قوم کے لیے بھی۔ اگر وقت کی قدر و قیمت کا صحیح احساس آپ نے خود بھی کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کرایا تو پھر کم وقت میں زیادہ کام ہوگا اور تنظیم مؤثر ہوگی۔ اگر وقت صحیح طور پر استعمال نہ ہو تو پھر وقت کا ضیاع بھی ہوگا اور مطلوبہ اہداف بھی حاصل نہ ہو پائیں گے۔

وقت تو ضرور ضائع ہوتا ہے، اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے جب آپ کہیں: **رَبِّ ارْجِعُوْنِ o لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ط** [**المومنون ۲۳: ۹۹-۱۰۰**]۔ یعنی اب تو واپس وہی وقت مل جائے، اب میں ٹھیک کام کروں گا۔ اس وقت کے آنے سے پہلے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وقت کو خوب سوچ سمجھ کر بہترین طریقے پر استعمال کیا جائے تاکہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام ہو سکے اور اگر وقت ضائع بھی ہو تو کم سے کم ضائع ہو۔

وقت کو بہترین انداز میں کیسے استعمال کیا جائے؟ یا وقت کو ضائع ہونے سے کیسے بچایا جائے؟ اس ضمن میں، چند بنیادی اصول آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

آپ ناظم ضلع، ناظم ڈویژن، ناظم حلقہ یا کسی بھی سطح کے ذمہ دار ہوں یا کارکن ہوں، سب سے پہلا کام جس طرح بیت المال کا آڈٹ کرتے ہیں کہ پیسے کہاں سے آئے اور کہاں

خرچ ہوئے؟ اسی انداز میں اپنے وقت کا آڈٹ کیا جائے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ بھر میں ۱۶۸ گھنٹے آپ کو عطا کیے ہیں، جو آپ کے اکاؤنٹ میں آئے اور نکل گئے مگر آپ اس کا جائزہ ہی نہیں لیتے۔ بیت المال کا تو آپ آڈٹ کراتے ہیں، حساب لگاتے ہیں اور رپورٹ مانگتے ہیں مگر وقت کا حساب نہیں لگاتے جو مال سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ درحقیقت اہم ترین چیز آپ کا وقت ہی ہے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر فرد اپنے وقت کا جائزہ لے کہ کتنا وقت کہاں اور کیسے خرچ ہوا؟ مگر افسوس کہ وقت کا کوئی حساب نہیں رکھتا۔

وقت کا آڈٹ یا جائزہ کیسے لیا جا سکتا ہے؟ اس غرض کے لیے آپ اپنے وقت کا کوئی مخصوص دورانیہ مثلاً ایک ہفتہ، دو ہفتے یا ایک مہینے کا اپنا ''آڈٹ اکاؤنٹ'' بنایئے۔ ایک خانہ ''آمدن'' کا بنایئے جب کہ دوسرا خانہ ''خرچ'' کا۔ ''آمدن'' کے خانے میں آپ منٹ، گھنٹے اور دن درج کیجیے جب کہ ''خرچ'' کے خانے میں یہ تفصیل درج کیجیے کہ وقت کہاں کہاں خرچ ہوا؟ اس کے بعد آپ اس بات کا جائزہ لیجیے کہ کون سا کام تحریک و تنظیم کے لیے مفید اور اہم ہے اور کون سا کام غیر مفید اور غیر اہم۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ بات جو اکثر کہی جاتی ہے کہ ''کام کے لیے وقت نہیں ملتا'' اتنی صحیح نہیں ہے۔ وقت اتنا بھی ''ناپید'' نہیں ہے۔

اگر آپ اپنے اس وقت کا وہ تناسب نکالیں جو کسی کام میں نہیں لگتا محض جائع ہو جاتا ہے، تو آپ کو نظر آئے گا کہ کام کے لیے بہت وقت بچتا ہے۔ آخر سونے کے لیے وقت ہے، ہر کام کے لیے وقت ہے۔ میں تزکیہ و قربانی کی بات نہیں کر رہا۔ میں سیدھی سیدھی یہ بات کر رہا ہوں کہ اپنے وقت کا جائزہ لیجیے۔ اگر آپ کو یہ بات گراں نہ گزرے تو میں کہوں گا کہ ''بنیے'' کی طرح بیٹھ کر اپنے وقت کا حساب کیجیے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ صبح شروع کرو تو اپنے نفس کے ساتھ تجارت کے انداز میں یہ بات کرو کہ میں نے ۲۴ گھنٹے تیرے حوالے کیے ہیں اور تو نے انھیں اس طرح استعمال کرنا ہے۔ یہ میرا اور تیرا معاہدہ ہے۔ کل میں تجھ سے حساب لوں گا کہ تو نے انھیں کس طرح استعمال کیا ہے۔

یہ پورا عمل ہے محاسبے کا، تجارت کا اور شرائط کا۔ لیکن آپ کو تحریکی نقطۂ نظر سے بچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت آپ کو دیا ہے، اسے آپ کیسے بہتر انداز میں استعمال کر سکتے ہیں۔ جس طرح آپ بیت المال کا حساب کرتے ہوئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ٹرانسپورٹ پر یا عمارات کی تعمیر پر زیادہ سرمایہ لگ رہا ہے، بالکل اسی طرح آپ وقت کا حساب بھی کیجیے۔ اس بات کا جائزہ بھی لیجیے کہ کہاں وقت زیادہ لگ رہا ہے اور کہاں کم؟ اور کہاں وقت ایسی چیزوں میں لگ رہا ہے جہاں نہیں لگنا چاہیے۔ اس کے بعد آپ جس طرح حساب کتاب کرتے ہوئے بجٹ بناتے ہوئے فضول اخراجات ختم کر دیتے ہیں، اسی طرح قلم لے کر اپنی فہرست سے ایسے کاموں کو کاٹ دیجیے کہ آیندہ کچھ مدت تک ہم یہ کام نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ اس کام کے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

وقت کے صحیح استعمال کا تیسرا اصول (trick) یہ ہے کہ ایسے کام جو دو دو، چار چار منٹ لیتے ہیں، ان کو ترک کر دیجیے۔ اس لیے کہ اس طرح کام کرنے سے بہتر نتائج نہیں نکلتے۔ اس کے بجائے آپ اپنے کام مسلسل چند گھنٹے یا طویل دورانیے میں یکسو ہو کر کرنے کی کوشش کیجیے۔ اس طرح زیادہ کام، بہتر انداز میں کیا جا سکتا ہے۔

تحریک اسلامی کے ذمہ داران خواہ وہ کسی بھی سطح کے ناظم، قیم یا امیر ہوں، انھیں کچھ نہ کچھ وقت اپنی تحریک، تنظیم اور ساتھیوں کے بارے میں سوچنے کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے روزانہ، ہفتے میں یا مہینے میں کچھ وقت متعین کر کے وہ کوئی اور کام نہ کریں اور صرف یہ سوچیں کہ آیندہ چار یا چھ ماہ میں مجھے اس تحصیل، ڈویژن یا ضلع میں اس کام کو کیسے آگے بڑھانا ہے؟ اگر آپ اس چیز کی عادت ڈالیں تو کام کی نئی راہیں کھلتی محسوس ہوں گی۔ اسی طرح اگر تنظیم کی طرف سے آپ کو کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے یا کوئی کام آپ کے ذمے لگایا جاتا ہے تو اسے چھوٹے چھوٹے وقفوں میں کرنے کے بجائے اگر طویل وقفوں میں لگ کر یکسو ہو کر کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی کارکردگی بہتر ہو گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں

یقیناً تنظیم کی مجموعی کارکردگی (efficienc) میں بہتری ہوگی اور کام کی رفتار بڑھ جائے گی۔

انسان، اہم ترین سرمایہ

موثر تنظیم کے حوالے سے ساتویں چیز یہ ہے کہ تحریک کے لیے وقت جیسے قیمتی سرمائے کے بعد سب سے بڑا اور اہم وسیلہ ''انسان'' ہیں۔ اگر ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان ہی وقت کا نام ہے۔ اس لیے کہ جب آخری سانس نکل جاتی ہے تو وقت ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو وقت آپ کا اپنا ہے، یا جو آپ کے disposal پر ہے، یا جو آپ کو فراہم کیا گیا ہے، یہ سب افراد کی صورت میں ہے۔

یہ وقت افراد (افرادی قوت) کی صورت میں آپ کے پاس ہے، صرف ایک قسم یا کوالٹی کا نہیں ہے۔ سب انسان ایک جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو فیکٹری کے جوتوں کی طرح ایک سائز یا ایک قسم کا نہیں بنایا ہے بلکہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ اس حد تک مختلف ہے کہ دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات (finger prints) بھی دنیا میں آج تک ایک جیسے نہیں ہوئے۔ آج تک اربوں انسان پیدا ہوئے اور مر گئے مگر ان کے انگلیوں کے نشانات ایک جیسے نہیں ہوئے۔ یہ جہاں اللہ کی قدرت کا بین ثبوت ہے وہاں انسانوں کے مزاج، افتادہ طبع، رجحانات اور صلاحیتوں میں اختلاف کا بھی مظہر ہے۔ انسانی مزاجوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید انسان مل کر کام کر ہی نہیں سکتے۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اس نے حیرت انگیز طور پر انسانوں، خاندانون، معاشروں اور سوسائٹیوں کے مابین ایسی ضروریات پیدا کر دیں کہ مختلف النوع انسان مل جل کر رہیں اور باہم ایک جماعت اور تنظیم بنائیں۔

اسلامی تحریک کے لیے سب سے بڑا وسیلہ ''انسان'' ہی ہیں۔ ذاتی طور پر اپنا تزکیہ و تربیت کرنا، اور وہ انسان جو تحریکی ناطے سے ساتھ چل رہے ہوں ان کی تربیت کرنا اور ان سے کام لینا، یہ ذمہ داران کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ رسول کریمؐ کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل تھی

کہ وہ ان کے نقوش کا تزکیہ کرتے ہیں۔ وَيُزَكِّيهِمْ [الجمعہ ۶۲:۲] ان کی زندگی سنوارتا ہے...... گویا انسان اگر بہتر بنیں گے اور کارآمد بنیں گے تو کام بہتر ہوگا، اور اگر انسان اسی مقام یا سطح پر رہیں گے جیسا کہ آج سے ۱۰ برس قبل تھے تو کام بھی ویسا ہی رہے گا جیسا کہ ۱۰ برس قبل تھا۔ جب آپ خود وہی ہوں جو آج سے ۱۰ سال قبل تھے تو آپ کا کام کیسے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اگر آپ کی صلاحیت، استعداد، قابلیت اور کارکردگی وہی ہے جو آج سے ۱۰ برس قبل تھی تو اس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا کام بھی وہیں رکا رہے گا۔ اپنا کام تو آپ کو خود ہی کرنا ہے۔ فرشتے آکر تو آپ کے حصے کا کام کرنے سے رہے۔

فرد کی تربیت کے اصول:

یہ بات کہ آدمی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تربیت کیسے کرے اور ان سے کام کیسے لے؟ یہ اپنی جگہ ایک الگ تفصیلی موضوع ہے۔ تاہم اس ساتویں نکتے کے تحت میں چند موٹی موٹی باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

خوبیوں پر نظر رکھنا:

پہلی بات یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔ کچھ کام وہ نہیں کر سکتا اور کچھ کام وہ ضرور کر سکتا ہے۔ ہر فرد کا ایسا ہی معاملہ ہے۔ اسی طرح جہاں ہمارے اندر کمزوریاں ہیں وہاں مختلف صلاحیتیں، قوتیں اور استعداد بھی ہے۔

کمزوریوں کا اثر کم سے کم:

ایک مؤثر تنظیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں کمزوریوں کا اثر کم سے کم ہو۔ کم سے کم اس لیے، کہ یہ کم تو ہو سکتا ہے مگر ختم نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی ابتدا ہی میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یہ بات کہ دنیا میں رہنے والے تمام انسان کامل (perfect) ہو جائیں گے، سب ایک آواز پر جمع ہو جائیں گے، اجتماع میں بروقت پہنچیں گے، اور سب کام کریں گے...... ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ مسائل تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں بھی پیش آتے

رہے ہیں۔ انسان تو ہے ہی کمزور چیز۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا [النساء ۴:۲۸] اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے...... مگر اس کو بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں بھی دی گئی ہیں۔ اس میں اتنی قوت اور طاقت ہے کہ وہ اس کام کو بھی کر سکتا ہے کہ جس کو کرنے سے پہاڑ اور زمین بھی لرز اُٹھتے ہیں۔ گویا انسان کمزوریوں اور قوتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس لیے وہی تنظیم بہت کام کر سکتی ہے جو کمزوریوں اور خامیوں کو اور ان کے اثرات کو کم کر کے میسر قوتوں کو اچھے انداز میں استعمال کر سکے، اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لے۔

اسی بات کی طرف نہایت حکیمانہ انداز میں اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''جو آدمی اپنے ساتھیوں کی کمزوریاں ہی تلاش کرتا رہتا ہے، اور ان پر الزام رکھتا رہتا ہے، وہ ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے''۔

احتساب اپنی جگہ ضروری ہے مگر اہم تر بات یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ جو بھی آپ کے پاس سرمایہ ہے اس سے آپ کیا کام لے سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ پانچ یا دوس روپے سے کیا کام ہوگا! تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اس کے بجائے آپ یوں سوچیے کہ پانچ روپے سے کیا کام ہوسکتا ہے؟ یہ نہ سوچیے کہ ''نہیں ہوسکتا''۔ اس لیے کہ ''نہیں ہوسکتا'' تو ہماری منزل نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مختلف افراد کے بارے میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کیا کام کر سکتے ہیں۔

صلاحیتوں کو اجاگر کرنا:

اللہ نے انسانوں کو بلا مقصد تو پیدا نہیں کر دیا۔ وہ ان سے کچھ کام بھی لینا چاہتا ہے۔ اس لیے انھیں کچھ صلاحیتیں تو ضرور عطا کی ہوں گی۔ اس لیے یہ لوگ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں۔ لہٰذا لوگ جو کچھ کر سکتے ہوں، ان سے وہ کام لینا چاہیے۔ یہ تمام صلاحیتیں اور

وسائل جمع ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آدمی با توں پر غور کرتا رہے جو لوگ نہیں کر سکتے، تو قوت صفر ہو جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ایک فرد کے اندر کیا خوبیاں ہیں؟ انھیں بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیے اور جو کمزوریاں ہیں انھیں دبانے یا دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اسی طرح اپنے ساتھیوں کے اچھے اوصاف کی قدر کریں، ان کو اہمیّت دیں، ان کی نشو ونما کی کوشش کریں اور ان کو مربوط کر کے مجموعی قوت بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ تنظیم کے اندر وقت اور طاقت پیدا ہوگی۔ دوسری طرف اگر آپ صبح سے شام تک اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں اور خامیوں کا رونا ہی روتے رہیں گے تو یقین جانیے کہ یہی کام کرتے کرتے آپ کی عمر بھی گزر جائے گی اور تنظیم کی عمر بھی گزر جائے گی مگر کام آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ لیکن جہاں آپ نے یہ محسوس کیا کہ ۵۷ آدمی بڑھتے بڑھتے لاکھوں افراد بن گئے ہیں، وہ آپ کے پاس ہیں، آپ کی قوت ہیں اور ان سے آپ نے کام لینا ہے، تو آپ کی کیفیت بدل جائے گی۔ آپ کو ایک نیا عزم اور ولولہ ملے گا۔ نتیجتاً تنظیم کی مجموعی کارکرگی بہت بہتر ہو جائے گی اور تمام وسائل تعمیری عمل میں صرف ہونے لگیں گے۔

ہر انسان کے اندر خوبیوں اور خامیوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کے حامل افراد کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ مگر افراد کی خوبیوں، اچھائیوں اور صلاحیتوں کو بڑھانا، نشو ونما دینا اور انھیں ایک مؤثر قوت میں بدل دینا، افراد کی تربیت اور ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کا پہلا اصول ہے۔

مسلسل سیکھنے کا عمل:

افراد کی تربیت کے حوالے سے دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر کام سیکھنے سے آسکتا ہے۔ دُنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جو آدمی محنت اور کوشش کر کے نہ سیکھ سکتا ہو۔ اگر کسی کو بولنا نہیں

آ تا تو آ سکتا ہے۔ اگر لیڈر شپ یا قیادت کی صلاحیت نہیں ہے تو پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو دنیا کی بڑی بڑی ارب پتی کمپنیوں کو تربیت یافتہ افراد کہاں سے ملتے۔ افراد کو یونی ورسٹیوں میں رکھا جاتا ہے، تربیت کی جاتی ہے اور یہی معمولی انسان بڑے بڑے کاروبار کامیابی سے چلا کر دکھاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ لیڈر شپ یا قیادت کا فن سیکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ دیکھ وہی سکتا ہے جو سیکھنے کی کوشش کرے۔ کوئی دوسرا فرد گھول کر یا کچھ نسخے پلا کر کسی دوسرے کے اندر کوئی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا۔

یہی بات سمجھنے اور دوسرے ساتھیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ کسی قسم کا مطالعہ، لٹریچر یا تربیت گاہیں اس وقت تک کارگر نہیں ہو سکتیں جب تک کہ آپ وہ بننا نہ چاہیں جو کہ آپ بننا چاہتے ہیں۔ اس عمل کو ''سیکھنے کا عمل'' یا انگریزی میں learning کہا جاتا ہے۔ اگر سیکھنے کا عمل مسلسل جاری رہے تو انسان سیکھ سکتا ہے اور اگر یہ عمل جاری نہ رہے تو نہیں سیکھ سکتا۔ محض تقریروں یا تربیت گاہوں سے انسان نہیں سیکھتا بلکہ اپنے عمل اور ارادے سے سیکھتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان یہ عزم کر لے کہ کوئی کام ایسا نہیں ہے جو ناممکن ہے اور اپنے ہر ساتھی کے اندر یہ سوچ پیدا کرے کہ جو کام کرنا ضروری ہے وہ کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک جو آدمی اپنے اوپر اعتماد سے محروم ہو یا اپنے اوپر بداعتمادی کرے وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بداعتمادی کرتا ہے۔ میں یہ بات اس لیے کہتا ہوں کہ جس اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، جو کام لینا اس کے پیشِ نظر ہے اور جو آزمایش اس کو مقصود ہے، اس نے اس کے لیے انسان کو مطلوبہ صلاحیتیں ہی عطا نہ کی ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ اس کی طرف سے ناانصافی ہوگی۔ جب اللہ پر یہ یقین اور توکل ہے کہ وہ زیادتی نہیں کر سکتا تو پھر اپنے اوپر بھی یہ اعتماد اور یقین ہونا چاہیے کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے وہ میرے امتحان کے لیے ہے اور اسے امتحان کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ کم چیز دے کر امتحان لینا، یہ اللہ کی عدل و انصاف اور رحمت کی

روش سے بعید ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو یہ اعتماد دینا چاہیے کہ ہم جو کام کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اس کے لیے لگ کر کوشش کریں خواہ وہ تقریر کرنا ہو، درس دینا ہو، تربیت کرنا ہو یا موٴثر انداز میں تنظیم چلانا اور مقررہ اہداف کا حصول ہو۔ کوشش ہی اصل چیز ہے۔ اس کے نتیجے میں جو بڑے بڑے کام مشکل نظر آتے ہیں وہ آسان ہو جاتے ہیں۔

کام میں شرکت کا احساس:

تیسرا اصول ہے اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا۔ اس کے بغیر یک جان ہو کر ایک ٹیم کے انداز میں کام نہیں کیا جاسکتا۔ وہ لوگ جو صبح و شام سیرت النبی ﷺ کا یہ سبق پڑھتے ہیں کہ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودی جارہی تھی اور حضور ﷺ خود بیلچے لے کر پتھر اُٹھا رہے تھے اور ہر موقع پر آگے آگے تھے، وہ آخر اس بات کو کیسے بھول سکتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا، کتنی اہم بات ہے۔ یہ اُسوۂ رسول ﷺ بھی ہے اور موٴثر تنظیم کا ایک اہم اصول بھی۔ شریک رہنا اور شریک کرنا، دراصل ایک راز ہے لوگوں کے جذبے کو متحرک رکھنے اور ان سے کام لینے کا۔

اس حوالے سے ایک سچّا واقعہ جو کہ کفر کی دنیا سے متعلّق ہے، اسلام کی دُنیا سے نہیں، بڑا معنی خیز ہے۔ امریکا میں موٹر بنانے کا ایک کارخانہ تھا۔ اس کی پیداوار کم تھی اور نقصان زیادہ۔ مزدور بیماری یا بہت حیلے بہانے کر کے کام سے جی چراتے تھے اور چھٹیاں کرتے تھے۔ صرف ۶۰ فی صد مزدور کام پر آتے تھے۔ جاپان کی ٹویوٹا کمپنی نے اس کارخانے کو خرید لیا اور وہاں نئے اصول وضوابط نافذ کر دیے کہ افسر اور مزدور ایک ہی کنٹین سے کھانا کھائیں گے، ان کے غسل خانے اور بیت الخلا الگ نہیں ہوں گے، اور اسی قسم کے چند دیگر اصول تھے۔ پہلے دن جب مزدور لائن میں آکر ناشتہ لینے کے لیے کھڑے ہوئے تو امریکا کی ٹویوٹا کمپنی کے

صدر کا بیٹا بھی قطار میں کھڑا ناشتہ لے رہا تھا۔ صرف دو سال بعد ہی اس کمپنی کی پیداوار دگنی ہوگئی، منافع دگنا ہوگیا اور ۹۵ فی صد مزدور کام پر حاضر ہونے لگے۔

یہ مغربی دُنیا کی کام میں شرکت کے احساس کے حوالے سے ایک مثال تھی مگر ہماری اپنی تاریخ اور سیرت النبی ﷺ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مشورے میں شریک کرنا، کسی کی بات نہ کاٹنا، لوگوں کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا کہ وہ بولیں اور اپنی رائے دیں، یہ سب باتیں اُسوۂ رسول ﷺ میں ملتی ہیں۔

اصلاح کا محرک

اگلا اہم اصول، رپورٹ سسٹم اور احتساب سے متعلّق ہے جو اہم ہے۔ معاشرے میں اس کے مساوی چیزیں سی آئی ڈی اور پولیس کے نام سے مستعمل ہیں۔ رپورٹ سسٹم کا وہی کام ہے جو سی آئی ڈی کا ہے اور محاسبے کا وہی کام ہے، جو پولیس کا ہے۔ سی آئی ڈی اور پولیس دونوں ضروری ہیں مگر سی آئی ڈی اور پولیس کے بل پر کوئی معاشرہ متحرک نہیں ہوسکتا اور اس میں جان نہیں پڑسکتی۔ اس کے ذریعے خرابیوں کو روکا جاسکتا ہے، ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی خوبیوں کو خاطر خواہ کتنا مؤثر ہو اور پوچھ گچھ کتنی ہی کی جائے، کام کو آگے بڑھانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو پاتا۔ پوچھ گچھ یا تفتیش کا کام دراصل پولیس کا کام ہے۔ ایک قائد، لیڈر اور ناظم کا کام پولیس کی طرح پوچھ گچھ کرنا، یا سی آئی ڈی کے سے انداز میں رپورٹ لینا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کام افراد کی صلاحیتوں سے کام لینا، انھیں آگے بڑھانا اور متحرک کرنا ہوتا ہے۔ یہ صرف جذبہ ہی ہے جو کسی کام کو کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

حوصلہ افزائی وہ محرک ہے جو جذبوں کو اُبھارتا، صلاحیتوں کو اجاگر کرتا اور کچھ کر گزرنے پر مجبُور کرتا ہے۔ اگر خلوص، محبت، خیر خواہی سے پیش آیا جائے اور حوصلہ افزائی کی جائے تو کارکنوں کی کارکردگی بہت بہتر اور تنظیم نہایت مؤثر ہوسکتی ہے۔

عام طور پر اصلاح کے لیے رپورٹ سسٹم اور احتساب و محاسبے پر زور دیا جاتا ہے۔ درحقیقت رپورٹ اور محاسبہ تو مسائل کے حل کے لیے آخری چیز ہے۔ جب خرابی پیدا ہو تو اس کو حرکت میں آنا چاہیے۔ اس سے پہلے بہت سے مراحل ہیں جن سے تحریک، ساتھیوں اور کارکنوں کو گزرنا چاہیے۔

اپنے ساتھیوں کی تربیت کرنا، خلوص و محبت اور خیرخواہی کے ساتھ صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کام لینا، مؤثر تنظیم کے لیے یہی ساتواں اصول ہے۔

میں فی الحال انھی ساتھ اصولوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ انھیں بڑھایا اور گھٹایا بھی جاسکتا ہے۔ تاہم تتمہ کے طور پر میں دو باتیں مزید عرض کروں گا۔

اجتہاد کی صلاحیت

پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی تحریک کے حوالے سے آگے بڑھنے کے لیے روز آپ کو نئے حالات پیش آئیں گے، نئے افراد سے سابقہ پڑے گا، نئی نئی صورت حال پیدا ہوں گی، نئے لوگ آپ کے ساتھ آکر شامل ہوں گے اور نئے اقدامات کی ضرورت پیش آئے گی۔ ان حالات میں جس تنظیم کو چلانے والے، ہر سطح پر، اجتہاد و جرأت و حوصلہ کی صلاحیت سے محروم ہوں، تو وہ تنظیم بالآخر اپنی جگہ پر کھڑی ہو جاتی ہے، اور جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ جیسے جیسے آپ کو نئے نئے حالات پیش آئیں، ان کے پیش نظر ایک طرف آپ فوری طور پر نئی تبدیلیاں اور نئے اقدامات کر سکیں، اور دوسری طرف اتنی ہمت و جرأت ہو کہ جو کام ہوتا چلا آ رہا ہو اور وہ مفید نہ ہو تو اسے ترک کر سکیں۔ اس کام کے لیے جس قدر ہمت و جرأت کی ضرورت ہے اس کا آپ کو شاید اندازہ نہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ماضی کی روایت کو آسانی سے ترک نہیں کرتا بلکہ اس پر اصرار کرتا ہے۔ اور نئی بات کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دانتوں سے پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں خواہ اس کا فائدہ ہو یا

نہ ہو۔ یہ آئینِ نو سے ڈرنے اور طرزِ کہن پر اُڑنے والی بات ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ روایات کی بڑی اہمیّت ہے۔ اخلاقی و روحانی روایات تو اَٹل ہیں اور انھیں ہمیشہ قائم رہنا چاہیے۔ البتہ تنظیمی روایات ہم نے خود بنائی ہیں، انھیں اپنایا یا چھوڑا جا سکتا ہے۔ مگر روایات کو ترک کرنا اتنا آسان اس لیے نہیں ہے کہ اللہ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ روایات یا اقدار کو آسانی سے ترک نہیں کرتا۔ اس میں یہ استعداد رکھی ہے کہ وہ روایات کو قائم رکھے۔ ورنہ اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر آئے روز روایات بدلنے لگیں تو پھر کوئی بھی کام آگے نہ بڑھ پاتا اور معاشرتی اقدار کو قائم نہ رکھا جا سکتا۔

انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی، پیاری اور اہم ہو، اسے وہ اتنی ہی مضبوطی سے تھامے اور محفوظ رکھے۔ مگر جسے آگے بڑھنا ہو اور سفر کرنا ہو، یا جس تنظیم کو آگے بڑھنا ہو، نئے نئے حالات سے جس کو سابقہ پڑتا ہو، اگر وہ اپنی اقدار و روایات کو ہر صورت میں تھامے رکھے اور سفر کے دوران نئے نئے اسٹیشن یا نئے نئے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر تبدیلیاں نہ کرے یا ان سے نبٹنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو، تو پھر سفر کا کٹنا مشکل ہوگا اور سفر کہیں بھی رک سکتا ہے۔ اس لیے اجتہاد اور ہمت و جرأت کی صلاحیت افراد، تحریکوں اور قوموں، سب کے لیے بڑی ضروری ہے۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں مسلسل اس بات کی تحقیق کرتی رہتی ہیں کہ آیندہ مارکیٹ کی کیا صورت حال ہے۔ آیندہ دس سال کے بعد کیا صورت حال اور تقاضے ہوں گے۔ چنانچہ دس سال کی ضروریات کے پیشِ نظر وہ منصوبہ بندی کرتی ہیں، اپنی مصنوعات میں تبدیلیاں لاتی ہیں، اور اس طرح سے اپنا مال تیار کر کے وقت سے پہلے مارکیٹ میں لے آتی ہیں۔ اگر یہ کمپنیاں ہمیشہ ایک ہی طرح کا مال بناتی رہیں تو یہ بڑی بڑی کمپنیاں جو نظر آتی ہیں، دنیا سے کچھ ہی عرصے میں محو ہو جائیں۔ کوئی کمپنی دیگر کمپنیوں کی مصنوعات کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ یہ کیوں آگے بڑھتی ہیں؟ اس لیے کہ ان کا مال ہمیشہ وقت سے پہلے یا عین وقت پر مارکیٹ میں آجاتا ہے۔

میں تجارت کی اصطلاحات بار بار استعمال کر رہا ہوں۔ اس سے آپ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کا تحریک پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے اور کارِ دعوت کو تجارت قرار دیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

[الصف ۶۱:۱۰]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے؟

اللہ تعالیٰ نے اصطلاح اور تشبیہ بار بار متعدد مقامات پر استعمال کی ہے اور اس لیے کہ مکہ کے تاجران اصطلاحات کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے اور آج کی تجارتی دنیا میں بھی یہ تشبیہات سمجھی جاسکتی ہیں۔

جس تاجر یا دکان دار کو ایک ہی مال ایک ہی جگہ پر بیچنا ہو، وہ تو اپنی جگہ پر بیٹھا رہے گا، مال بیچتا رہے گا اور پیسہ کماتا رہے گا۔ مگر ہماری تحریک اور تنظیم کو ایک ہی مال بیچ کر، ایک ہی مقام پر نہیں رہنا ہے، بلکہ آگے بڑھ کر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے آپ کو نئے مال اور نئی مارکیٹ کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ معاشرے کے کون کون سے طبقات ہیں جن تک ہماری دعوت نہیں پہنچی۔ وہ کون سے نئے الفاظ، نئے پیرائے اور اصطلاحات ہیں جن میں اپنا پیغام بہتر اور مؤثر انداز میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی سوچنا ہوگا کہ پوری تحریک جو ایک مدت سے میدانِ عمل میں ہے، اس میں کیا تبدیلیاں لائی جائیں کہ جس سے ہم آگے بڑھ سکیں اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لیں۔ ان امور پر بار بار سوچنے اور سوچتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ سوچ اجتہاد اور ہمت و جرأت کی صلاحیت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کے بغیر ترقی کا سفر جاری رکھنا ممکن نہیں۔

تحریک کا اصل کام اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ آیندہ دس برس کے بعد ہم کہاں ہوں گے؟

یہ وسعت اور بصیرت ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ آیندہ دس برس کے بعد بھی اگر ہم اسی جگہ اور اسی مقام پر یہ رپورٹ دے رہے ہوں کہ اس حلقۂ متفقین میں ۱۰ متفق ہیں، ۲ کا اضافہ ہوا اور ۲ کی کمی ہوئی، تو پھر یہ محض وجود برقرار رکھنے والی (maintenance) تنظیم کی کیفیت ہوگی، تحریکی تنظیم کی نہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آپ کو یہ معلوم ہو یا آپ کی یہ سوچ ہو کہ دس سال کے بعد یہاں دس حلقہ متفقین ہوں گے، ۱۰۰ متفق ہوں گے، یا دس کارکن ہوں گے، یا علاقے کے فلاں فلاں امام و خطیب اور چودھری، اور مؤثر افراد ہماری دعوت کے قریب آجائیں گے، اور اس عمل کے لیے آپ ایک منصوبہ عمل بنا کر مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہوجائیں، تو پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ کی مدد و تائید اور برکت آپ کے شامل حال ہوجائے گی۔

اس کے لیے اجتہاد اور ہمت و جرأت کی ضرورت ہوگی کہ آپ روایات سے چمٹ کر ہی نہ رہ جائیں۔ البتہ جو روایات مفید ہوں، ان پر ضرور جمے رہنا اور ان سے چمٹے رہنا چاہیے۔ مگر وہ روایات جو کام میں رکاوٹ بن رہی ہوں، بوجھ بن رہی ہوں، انھیں چھوڑنے کی ہمت ہونی چاہیے۔ اسی طرح جو چیزیں مفید نہیں رہیں، انھیں مفید بنائیں۔ ان کے اندر روح پھونکیں۔ جب تک یہ عمل مسلسل اجتہاد اور ہمت کے بغیر جاری نہیں رہے گا، اس وقت تک آپ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ہاں آپ اپنے وجود کو ضرور برقرار رکھ سکیں گے اور اپنے مقام پر بہت اچھی طرح کھڑے رہ سکیں گے۔ لیکن اس علاقے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر کے غلبہ نہیں پاسکیں گے جو حقیقتاً مطلوبہ ہدف ہے۔

قائدانہ صلاحیت

دوسری بات تتمہ کے طور پر میں یہ کہوں گا، جو میں نے آغاز میں بھی کہی تھی کہ آپ اپنے کام کا صحیح معنوں میں جائزہ لے کر دیکھیں کہ واقعتاً کیا کام کرنا مطلوب و مقصود ہے؟ کوئی چک ہو یا گاؤں، ضلع ہو یا صوبہ، آپ اپنے کام (job) کا اندازہ یا پیمانہ مقرر کریں، یعنی size up کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ لگائیں کہ اس علاقے میں کتنی آبادی ہے؟

مردوں اور عورتوں میں مجھے دعوت کا کام کتنی مدت میں کرنا ہے؟ چنانچہ انھیں اپنے قریب لانے اور دعوت کے لیے مسخر کرنے کے لیے کوئی متعین مدت اور ہدف مقرر کریں اور پھر اسے اپنے علاقے یا حلقے کی دیگر تفصیلات کا علم بھی ہونا چاہیے کہ یہاں کتنے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینئر، فوجی، مؤثر افراد، امام وخطیب، مساجد اور علما وغیرہ ہیں۔ نیز مخالفین، دیگر سیاسی جماعتیں اور ان کے قائدین، ان کا اثر ورسوخ، وسائل وقوت اور حکمت عملی کا بھی اندازہ ہونا چاہیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی علاقے کے گورنر کو اپنے علاقے کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ یا قدیم صوفیائے کرام کی اصطلاح کے مطابق کسی علاقے کے ''قطب'' یا ''ابدال'' کو جو اس پورے علاقے کی نگرانی اور حفاظت کیا کرتے تھے، اپنے علاقے کی ''تفصیلات'' کا علم ہوتا تھا۔ سید مودودیؒ نے بھی یہ فرمایا تھا کہ ہماری نگاہ میں ارکان وہ ہوں گے جو اپنی اپنی بستی میں ''قطب'' بن کر یا ''روشنی کا مینار'' بن کر عوام کا ''مرجع'' بن جائیں گے، یعنی علاقے کے حقیقی قائد ہوں گے۔

جواب دہی کا احساس

آپ اپنی بستی کے قطب یا ابدال اس وقت بن سکیں گے جب آپ کو اپنی رعایا (عوام) کی فکر ہوگی۔ اس حدیث میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر اس مرد و عورت اور بچے کے بارے میں جواب دینا پڑے گا جو شہادت حق کے حوالے سے آپ کے زیر اثر ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی انسان کپکپا کر رہ جاتا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

آخر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کیوں جواب دہی کے احساس سے کانپتے اور روتے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ

اگر وادی فرات میں کوئی بکری بھی بھوکی مر جائے گی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے

پوچھے گا کہ وہ کیوں بھوکی مرگئی۔

یہ احساس، احساس مسئولیت ہے جو لرزہ براندام کرنے کے لیے، کپکپانے کے لیے، دل کو پگھلانے کے لیے، آرزوؤں کو ترک کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے اگر آپ کی تحصیل، ضلع یا علاقے میں جس شخص تک بھی حق کا پیغام نہیں پہنچے گا وہ قیامت کے روز آپ کا گریبان پکڑ کر کھڑا ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس حق تھا اور اس نے مجھ تک نہیں پہنچایا۔ کیا آپ اس بات کی جواب دہی کر سکیں گے؟ اس بات کو اگر آپ بار بار سوچیں، مسئولیت کے احساس کو زندہ اور تازہ کریں، تو آپ محسوس کریں گے کہ سب سے بڑا اور کرنے کا اصل کام تو بس یہی ہے۔

جتنی باتیں اور اصول میں نے بیان کیے ہیں، ان پر اس وقت تک صحیح معنوں میں عمل درآمد نہیں ہو سکتا، جب تک کہ آپ کے قلب کے اندر جواب دہی اور اللہ کے آگے کھڑے ہونے کا احساس جاگزیں نہ ہو۔ یہ احساس جواب دہی صرف اپنے لیے ہی نہیں، بلکہ دوسروں کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ پوری تحریک اور تنظیم کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی ہے کہ آپ دوسروں کے لیے جواب دہ ہیں۔ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ o [الاعراف ۷:۶] ہم نے جن کو بھی بھیجا ہے ان کو حساب دینا ہوگا...... یعنی ہم رسولوں میں سے ایک ایک سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا کیا۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا o [النساء ۴:۴۱]

اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے

تو آواز آئی عبداللہ ؓ بس کرو! وہ رک گئے، نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ گویا یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کا گواہ بنا کر قیامت کے روز کھڑا کرے گا، آپ ﷺ جیسے شخص کے دل کو پگھلانے کے لیے کافی تھی جو کہ دعوت اور شہادت کے فریضے کی ادایگی مکمل اور احسن ترین انداز میں انجام دے رہے تھے۔ اس احساس کے بغیر اگر آپ کام کریں گے تو خواہ گاؤں ہو یا شہر، ضلع ہو یا صوبہ یا پورا پاکستان، مؤثر تنظیم کے یہ بنیادی اصول آپ کے کام نہیں آسکتے۔

آخری بات یہ کہوں گا کہ اختصار کی بنا پر میں نے دلائل، واقعات اور مثالوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان تمام اصولوں اور باتوں کے لیے قرآن وسنت کے اندر بے شمار ذخیرہ موجود ہے۔ یہ اصول اتنے ہی اہم ہیں کہ دنیا بھر میں لوگ ہزاروں ڈالر صرف کر کے لیڈرشپ اینڈ مینجمنٹ کے کورس کرتے ہیں اور ان اصولوں کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کم وبیش یہ اصول ہیں جو دنیا بھر میں سکھائے جاتے ہیں مگر میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر دیے ہیں۔ ان سے استفادہ کر کے اور ان کو عملی جامہ پہنا کر آپ فریضہ اقامت دین اور شہادت حق کو احسن انداز میں انجام دے کر خدا کے ہاں سرخرو ہو سکتے ہیں، جواب دہی اور مسئولیت سے بچ سکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اسلامی انقلاب کی منزل بھی قریب آسکتی ہے۔ ان شاءاللہ!

[کیسٹ سے تدوین: امجد عباسی]

❖ ❖ ❖